پروفیسر نجات اللہ صدیقی

اسلامی ریاست اور اس کی معاشی ذمہ داریاں

ہر ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کا انحصار اس کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت پر ہے، اور اس کی بنیاد اور اس کے سیاسی استحکام کی لازمی شرط بھی ہے۔ موجودہ دور کی دفاعی قوت براہِ راست صنعتی ترقی سے وابستہ ہے۔ محفوظ دفاعی پالیسی کا ایک مسلمہ اصول یہ ہے کہ ملک اہم دفاعی سامان کے لیے دوسرے ممالک، بالخصوص کسی دوسرے تہذیبی بلاک سے تعلق رکھنے والے ممالک کا محتاج نہ ہو۔ ظاہر ہے جدید آلاتِ حرب اور دفاعی سامان کسی ملک میں اسی وقت تیار کیے جا سکتے ہیں جب وہ صنعتی ترقی کے اونچے معیار تک پہنچ چکا ہو۔ یہ بات محتاج دلیل نہیں کہ قرآن و سنت میں دار الاسلام کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کے استحکام پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ۔ (انفال: ۶۱)

اور ان کے لیے جتنی قوت تم سے ممکن ہو سکے فراہم کر رکھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے کی مختلف فوجی تیاریوں، تیر اندازی اور گھڑ سواری کی مشق اور اسلحہ اور گھوڑے فراہم کر رکھنے پر صحابۂ کرام کو برابر زور دار الفاظ میں حکم دیتے رہتے تھے۔ آج کی فوجی تیاریوں اور عسکری قوت کے ذرائع مختلف ہیں۔ آج آنحضرت کے اس حکم اور ان ارشادات کا مطلب یہ ہے کہ زمانے کے حالات اور معیار کے مطابق فوجی قوت پیدا کی جائے اور تیاریاں کی جائیں۔ چونکہ یہ مقصد صنعتی ترقی اور فولاد، ایٹمی توانائی اور بجلی کی طاقت جیسی بنیادی صنعتوں کے فروغ کے بغیر نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ اس لیے ان چیزوں کا اہتمام بھی ضروری قرار پائے گا۔ کسی شرعی فریضہ کی ادائیگی اگر کسی مباح کام پر موقوف ہو تو وہ کام بھی فرض ہو جاتا ہے۔

معاشی تعمیر و ترقی کا اہتمام فقر و فاقہ کے انسداد اور کفالتِ عامہ کی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے بھی ضروری ہے۔ قومی پیداوار میں اضافے کی مؤثر تدابیر اختیار نہ کی جائیں تو صرف موجودہ دولت کی از سرِ نو تقسیم کے ذریعہ کسی ملک کے ہر فرد کو ایک معقول معیارِ زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ اس نکتے پر غور

کرتے وقت یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ آج وہ مسلمان ممالک، جن میں اسلامی ریاست کے قیام کا امکان ہے، عام طور پر معاشی اعتبار سے کم ترقی یافتہ ہیں۔ ان کی قومی پیداوار کی موجودہ سطح ان کی بڑھتی ہوئی آبادیوں کے لیے کافی نہیں ہے۔ اور وہ فقط یہی طریقہ اختیار کرکے کفالتِ عامہ کی ذمہ داری ادا نہیں کرسکتے کہ امیر لوگوں سے ان کی دولت کا ایک حصّہ لے کر اہلِ حاجت کے درمیان تقسیم کردیا جائے۔

دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست اپنی تہذیبی انفرادیت کو بھی اسی وقت برقرار رکھ سکتی ہے جب وہ صنعتی طور پر غیر مسلم دنیا سے بڑی حد تک بے نیاز ہوجائے اور کم از کم ضروری سامانِ زندگی کے لیے ان ممالک کی محتاج نہ ہو۔ جو ممالک صنعتی طور پر دوسرے ملکوں پر بہت زیادہ انحصار کرتے ہیں وہ تہذیبی طور پر بھی ان سے متاثر ہوجاتے ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آج اسلامی ممالک کی صنعتی پس ماندگی اور مغرب کی محتاجی ان پر مغربی تہذیب کے اثر اور مغربی غلبہ و استیلا کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ ایک اسلامی ریاست کے سامنے صرف یہی مقصد نہ ہوگا کہ وہ تہذیبی طور پر ممتاز اور اجنبی تہذیبوں کے اثرات سے محفوظ رہے، بلکہ اسے تہذیب اور نظریات کے میدان میں ایک فعال داعیانہ کردار اختیار کرنا ہے۔ داعی کی حیثیت دینے والے کی ہونی چاہیے نہ کہ دستِ سوال دراز کرنے والے کی۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب دارالاسلام صنعتی ترقی کے میدان میں اگر دوسرے ملکوں سے آگے نہیں تو ان سے بہت پیچھے بھی نہ ہو۔

قرنِ اول کی اسلامی ریاست نے موقع پڑنے پر غیر مسلم دنیا کی تالیفِ قلب کے لیے اس کو مالی اور مادّی امداد بھی دی ہے کیونکہ تالیفِ قلب اسلام کے داعیانہ پروگرام کا ایک مستقل جز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں قحط کے زمانے میں پانچ سو اشرفی نقد اور ضروری اجناس بھیج کر مدد کی تھی[1] آج جب کہ تہذیبی کشمکش اور نظریاتی جنگ میں بیرونی امداد اور بین الاقوامی معاشی تعاون کو ایک اہم مقام حاصل ہوچکا ہے، ایک اسلامی ریاست کے پاس اتنے وسائل ہونے چاہئیں کہ وہ اپنی دعوت کے لیے راہ ہموار کرنے کی خاطر ان ذرائع کو استعمال کرسکے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب دارالاسلام معاشی طور پر ترقی یافتہ ہو۔

ان دلائل کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کا اہتمام کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبِ امر کو مسلمانوں کے ساتھ ہر ممکن

---

[1] سرخسی، المبسوط، جلد ۱۰ ص ۹۱، ۹۲

خیر خواہی کرنے کا حکم دیا ہے۔ ظاہر ہے اس خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ ریاست ملک کی معاشی تعمیر و ترقی کے لیے مناسب اقدامات کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور ایک حدیث قدسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی خوش حالی کا اہتمام اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ امام سرخسی لکھتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک اثر منقول ہے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کہ:

عمّروا بلادی فعاش فیها عبادی[۲]

میرے ملکوں کو آباد کرو تاکہ اس میں میرے بندے زندگی بسر کر سکیں۔

اسی بنا پر اسلامی مفکرین نے ملک کی خوش حالی کے اہتمام کو اسلامی ریاست کے صدر کی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ ماوردی نے امام کے فرائض گناتے ہوئے لکھا ہے:

والذی یلزم سلطان الامة سبعة اشیاء ..... والثالث عمارة البلدان باعتماد مصالحها و تهذیب سبلها و مسالکها[۳]

امت کے حکمران پر سات ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں .... ان میں سے تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے زیر حکومت ممالک کے جملہ مصالح کے تحفظ اور اس کی شاہراہوں اور دوسرے ذرائع نقل و حمل کو بہتر بنا کر ان ممالک کو آباد و خوش حال رکھے۔

ماوردی نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ملک کو آباد و خوش حال رکھنے کے کام کی قدر و قیمت کیا تھی:

قال ابوهریرة سبت العجم بین یدی رسول الله صلی الله علیه وسلم فنهی عن ذالك و قال لا تسبّوها فانها عمّرت بلاد الله تعالیٰ فعاش فیها عباد الله تعالیٰ[۴]

حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اہل عجم کو برا کہا گیا تو آپ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا: ان کو برا نہ کہو کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کے ملکوں کو آباد اور خوش حال بنایا تو ان میں اللہ تعالیٰ کے بندوں نے زندگی گزاری۔

---

[۲] سرخسی، المبسوط جلد ۲۳ - ص ۱۵

[۳] ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری الماوردی: ادب الدین والدنیا۔ مطبعۃ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ، مصر طبع اول، ص ۸۲

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ملک کو خوش حال رکھنے اور ترقی دینے کا اہتمام کرتے تھے۔ آپ نے والی مصر عمرو بن العاص کو خط لکھا تھا کہ مقوقس سے دریافت کریں کہ مصر کی خوش حالی اور بربادی کا انحصار کن عوامل پر ہے۔ آپ نے انھیں تاکید کی تھی کہ ایسی تدابیر اختیار کریں جن سے خوش حالی میں اضافہ ہو۔[۵۵] حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمر کے سامنے یہ تجویز بھی رکھی کہ اگر بحیرۂ روم اور بحیرۂ قلزم کو ایک نہر کے ذریعہ ملا دیا جائے تو مدینہ میں بحیرۂ روم کے اردگرد کے زرخیز علاقوں سے غلے کی درآمد آسان ہو جائے گی، اور وہاں غلے کا نرخ ارزاں رہا کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ اس تجویز پر فوراً عمل کیا جائے۔ چنانچہ یہ نہر کھودی گئی اور جب تک یہ نہر قائم رہی مدینہ منورہ کو دوبارہ غذائی قلت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اس سے خود مصر کی خوش حالی میں بھی اضافہ ہوا۔[۵۶]

آپ ہی کے حکم سے بصرہ کے والی حضرت ابو موسیٰ اشعری نے ایک نہر کھدوائی تھی جو نہر ابلہ کے نام سے مشہور ہوئی۔[۵۷] اسی طرح انبار کے زمینداروں کی فرمائش پر حضرت سعد بن ابی وقاص کے حکم سے ایک نہر کی تعمیر شروع ہوئی جسے بعد میں حجاج بن یوسف نے مکمل کرایا۔[۵۸] حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بصرہ میں نہر ابن عمر کھدوائی۔[۵۹] نہروں کی تعمیر کا جو سلسلہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے شروع ہوا وہ بعد میں بھی جاری رہا۔[۶۰] اگر یہ حقیقت سامنے رہے کہ قرنِ اول اور اس کے بعد کے ان ادوار میں اسلامی ممالک کی معیشت ایک زرعی معیشت تھی تو نہروں کی تعمیر کی معاشی اہمیت کا پوری طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

نہروں کی تعمیر کے علاوہ حسب ضرورت سیلاب کی روک تھام کے لیے بند بھی تعمیر کروائے گئے۔ چنانچہ حضرت عمر نے مکہ مکرمہ میں اس مقصد کے لیے ایک بند تعمیر کرایا۔[۶۱]

اپنی رعایا کے لیے وسائلِ زندگی میں فراوانی کے لیے بھرپور کوشش حضرت عمر کی مالی پالیسی کا ایک اہم اصول تھا۔ اس کا اعلان آپ نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں ان الفاظ میں فرما دیا تھا:

ولیس اجعل اما نتی الی احدٍ لیس لها باهلٍ ولکن اجعلها الی من تکون رغبته فی التوفیر

---

۵۵ ابن عبدالحکم بحوالہ کنز العمال۔ ج ۳۔ نمبر ۲۴۰۰ ۵۶ طبری۔ تاریخ بحوالہ بلاذری۔ ص ۲۵۷۷ (حوادث ۱۸ھ)

۵۷ بلاذری۔ فتوح البلدان طبع قاہرہ۔ ص ۳۵۱ ۵۸ ایضاً۔ ص ۲۷۳ ۵۹ ایضاً۔ ص ۳۶۴

۶۰ ایضاً۔ ص ۲۵۳ تا ۳۶۵ اور ص ۲۷۳، ۲۷۴ ۶۱ ایضاً۔ ص ۶۵

للمسلمین اولئک احق بھم من سواھم [۱۲]

میں اپنی امانت (یعنی حکومت کے عہدے) ایسے افراد کے سپرد نہیں کروں گا جو اس کے اہل نہ ہوں بلکہ ایسے افراد کے سپرد کروں گا جو مسلمانوں کے لیے فراوانی بہم پہونچانا چاہتے ہوں۔ دوسروں کی بہ نسبت ایسے افراد مسلمانوں (کی حکمرانی) کے زیادہ حق دار ہیں۔

حضرت عمر مسلمانوں کی خیرخواہی کے لیے ضروری سمجھتے تھے کہ انھیں زیادہ سے زیادہ مال دیا جائے اور انھیں مشورہ دیتے تھے کہ فوری ضروریات سے جو مال فاضل ہو، اسے نفع آور کاروبار میں لگائیں تاکہ وہ آئندہ مستقل آمدنی کا ذریعہ بنے۔

قدم خالد بن عرفطة العذری علی عمر فسأله عمر عمّا وراءہ - فقال ترکتھم یسألون الله لک ان یزید فی عمرک من اعمارھم۔ ما وطیٔ احد القادسیة الا و عطاءہ الفان او خمس عشرة مائة وما من مولود ذکرًا کان او انثیٰ الا والحق فی مائتین وجریبین فی کل شھر۔

قال عمر: انّما ھو حقھم۔ وانا اسعد باداءہ الیھم۔ لو کان من مال الخطاب ما اعطیتموہ ۔ ولکن قد علمت ان فیہ فضلا - فلو انہ اذا اخرج عطاء احد ھؤلاء ابتاع منہ غنمًا فجعلھا بسوادھم فاذا اخرج عطاء ثانیة ابتاع الراس والراسین فجعلہ فیھا فان بقی احدٌ من ولدہ کان لھم شیٔ قد اعتقدہ فانی لا ادری ما یکون بعدی و انّی لاعمّ بنصیحتی من طوّقنی الله امرہ فان رسول الله صلی الله علیہ وسلم قال من مات غاشًا لرعیتہ لم یجد رائحة الجنة [۱۳]

خالد بن عرفطہ عذری عمر کے پاس آئے تو عمر نے ان سے دریافت کیا کہ جہاں سے آرہے ہو وہاں لوگوں کا کیا حال ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں انھیں اس حال میں چھوڑ کر آیا ہوں کہ وہ اللہ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ ان کی عمروں میں سے کچھ مدت کم کر کے آپ کی عمر میں اضافہ کر دے۔ جس نے بھی قادسیہ میں قدم رکھا تھا اس کا وظیفہ دو ہزار یا پندرہ سو (درہم سالانہ) ہے۔ ہر بچے کے لیے، خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی، پیدا ہوتے ہی سو (درہم) اور دو جریب (غلہ) ماہانہ مقرر ہو جاتا ہے۔

عمر نے کہا: یہ ان کا حق ہے، میں اسے انھیں دے کر اپنا بھلا کر رہا ہوں۔ اگر یہ خطاب کا مال ہوتا تو تمھیں نہ دیا جاتا۔ البتہ میں یہ جانتا ہوں یہ مال ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر لوگ ایسا کرتے کہ جب کسی کو وظیفہ ملے تو اس میں

---

[۱۲] موطا امام مالک

[۱۳] بلاذری، فتوح البلدان - ص ۴۳۹

سے کچھ بھیڑ بکریاں خرید کر اپنے (زرخیز زرعی) علاقے میں چھوڑ دے۔ پھر جب دوسرے سال کا وظیفہ ملے تو ایک یا دو غلام خرید کر ان کو بھی اسی (علاقے) میں (کام پر) لگا دے۔ اگر ان کی اولاد میں سے کوئی باقی رہا تو اس طرح اس کے لیے ایک قابلِ اعتماد سہارا فراہم ہو جائے گا کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے بعد کیا ہوگا۔ میں تو ہر اس فرد کے ساتھ پوری خیر خواہی کرتا ہوں جس کے امور کا اللہ نے مجھے نگران بنایا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اپنی رعیت کے ساتھ بدخواہی اور خیانت کرتا ہوا مرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔

دوسرے خلیفۂ راشد کے اس اثر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابِ امر کو عامۃ المسلمین کے ساتھ جس خیر خواہی کی تاکید کی ہے اس کا تصور کتنا وسیع ہے۔ اگر صاحبِ امر رعایا کی مادی فلاح و بہبود کے اہتمام میں کوئی کسر اٹھا رکھے تو حضرت عمر کے نزدیک یہ بھی "بدخواہی" (غش) ہوگی اور ایسا کرنے والا آخرت میں جنت سے محرومی کا خطرہ مول لے گا۔

خلفا کو اس بات کی بڑی فکر رہتی تھی کہ اشیائے ضرورت کے نرخ ارزاں رہیں۔ چنانچہ وہ مختلف علاقوں کے نرخ معلوم کرتے رہتے تھے اور اگر انھیں یہ خبر ملتی کہ نرخ ارزاں ہیں تو اطمینان کا اظہار کرتے تھے۔ سلمہ بن قیس اشجعی کا قاصد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت کیا اشیا کے نرخ کیسے ہیں؟ قاصد نے جواب دیا بہت ارزاں ہیں۔ آپ نے دریافت کیا گوشت کا کیا نرخ ہے؟ کیونکہ یہی عرب کا اصل سہارا ہے، تو قاصد نے آپ کو گائے اور بکری کے گوشت کے نرخ الگ الگ بتائے[۱۴]

عن موسیٰ بن طلحۃ قال: سمعت عثمان بن عفان وھو علی المنبر والموذن یقیم الصلوٰۃ وھو یستخبر الناس یسأل عن اخبارھم و اسعارھم[۱۵]

موسیٰ بن طلحہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا ہے: "میں نے عثمان بن عفان کو منبر پر بیٹھ کر جب کہ موذن نماز کے لیے اقامت کہہ رہا تھا، لوگوں سے ان کے حالات، خبریں اور اشیا کے نرخ دریافت کرتے سنا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنے والیوں کو تاکید کرتے تھے کہ بنجر زمینوں کو قابلِ کاشت بنانے کی تدابیر اختیار کریں[۱۶] آپ نے عراق کے والی کو یہ بھی لکھا تھا کہ بیت المال کے فاضل مال میں سے کاشت کاروں

---

[۱۴] طبری - تاریخ - ص ۲۷۱۹ - حوادث ۲۲ھ

[۱۵] مسند امام احمد

[۱۶] ابو یوسف کتاب الخراج - ص ۱۰۲

و زرعی اغراض کے لیے قرض دیے جائیں[۱۱]

امام ابو یوسف نے خلیفہ ہارون الرشید کو مشورہ دیا تھا کہ :

میرے رائے میں آپ خراج کے افسران کو ہدایت کر دیں کہ جب ان کی عملداری کے کچھ لوگ ان کے پاس آ کر یہ بتائیں کہ ن کے علاقے میں بہت سی قدیمی نہریں ہیں جو اب ناکارہ ہو گئی ہیں اور بہت سی زمینیں زیر آب آگئی ہیں، اور اگر ان نہروں درست کرا دیا جائے اور ان کی کھدائی کر کے ان میں پانی جاری کر دیا جائے تو یہ ناکارہ زمینیں آباد کر لی جائیں گی اور اس طرح اج کی آمدنی میں بھی اضافہ ہو جائے گا تو اس کی اطلاع آپ کو لکھ بھیجی جائے۔ پھر آپ کسی معتمد علیہ، امانت دار، صاحب لاح و تقویٰ آدمی کو اس بارے میں جائزہ لینے کے لیے بھیجیں۔ یہ آدمی اس علاقے کے ثقہ، واقف کار اور صاحب بصیرت وں سے معلومات حاصل کرے اور اس علاقے کے باہر کے تجربہ کار اور صاحب رائے افراد سے بھی مشورہ کرے۔ یہ افراد یسے ہوں جو خود اس کام کے ذریعہ کوئی نفع حاصل کرنے یا اپنے کسی نقصان کی تلافی کے متمنی نہ ہوں۔ اگر سب کی رائے یہی کہ اس اسکیم کو زیر عمل لانے میں ملک کا فائدہ ہے اور خراج کی آمدنی میں اضافہ کی توقع ہے تو آپ ان نہروں کی کھدائی حکم دے دیجیے اور اس کے سارے مصارف کا بار بیت المال پر ڈالیے۔ ان اخراجات کا بار اس علاقے کے باشندوں پہ نہ ڈالیے۔ ان لوگوں کا آباد و خوش حال رہنا ان کے اجڑ جانے اور مفلس ہو کر ادائے خراج سے عاجز رہنے سے بہتر ہے۔ ی زمینوں اور نہروں کے سلسلے میں اہل خراج کے ہر اس مطالبے کو پورا کرنا چاہیے جس سے ان کے مفادات و مصالح کی ترویج ہوتی نظر آئے بشرطیکہ اس اسکیم پر عمل کرنے سے گرد و پیش کے دوسرے گاؤں اور قصبات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اگر ان کی تجویز پر عمل سے دوسروں کی پیداوار کم ہو جانے اور خراج کی آمدنی میں کمی ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو نہیں منظور کرنا چاہیے۔

باشندگان سواد کو اگر اپنی ان بڑی نہروں کی کھدائی اور صفائی کی ضرورت پیش آئے جو دجلہ اور فرات سے الی گئی ہیں تو آپ ان کی کھدائی اور صفائی کروا دیجیے، اور اس کے مصارف کا بار بیت المال اور اہل خراج دونوں پہ الیے۔ لیکن سارا بار اہل خراج ہی پر ڈال دینا صحیح نہ ہو گا ..... دجلہ اور فرات اور دوسرے بڑے دریاؤں پہ ماٹ یا پانی کے نکاس کی جگہوں کی تعمیر اور مرمت پر آنے والے مصارف کا پورا بار بیت المال پر ڈالا جائے۔ اہل خراج ر اس سلسلے میں کوئی بار نہ ڈالا جائے، کیونکہ یہ سارے مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے کام ہیں اور ان کے مصالح کا تحفظ تمام تر

---

[۱۱] ابو عبید۔ کتاب الاموال۔ ص ۲۵۱

ام کی ذمہ داری ہے [۱۸]

ان نظائر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ابتدائی دور کی اسلامی ریاست زراعت کی ترقی کے لیے ہر طرح اہتمام کرتی تھی۔ اس بات کی کوشش کی جاتی تھی کہ قابلِ کاشت زمینیں بے کار نہ پڑی رہیں۔ بنجر اور افتادہ زمینوں کو قابلِ کاشت بنایا جائے اور آبپاشی کے لیے نہریں تعمیر کی جائیں۔ اس دور کی معیشت یک زرعی معیشت تھی۔ جدید دور کی طرح صنعت کو فروغ نہیں حاصل ہوا تھا۔ زراعت کی ترقی کے اہتمام کے پہلو بہ پہلو اشیائے ضرورت کے نرخ ارزاں رکھنے کے بھی کوشش کی جاتی تھی۔ ان باتوں سے اسلامی ریاست کے اس عام رجحان کا پتا چلتا ہے کہ وہ اپنی رعایا کی معاشی فلاح و بہبود کا اہتمام کرتی ہے اور ملک کی معیشت کو ترقی دینا چاہتی ہے۔ دورِ جدید کے حالات میں اس رجحان کے پیشِ نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی ریاست کو ملک کے قدرتی وسائل سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے ترقی کی تمام ممکن تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں۔ افراد کو ترقیاتی کاموں کی ترغیب دینے اور اس سلسلے میں ان کی مالی امداد کرنے کے ساتھ ریاست کو اس کام میں براہِ راست بھی حصہ لینا چاہیے۔ معدنی وسائل کو ترقی دے کر کام میں لانا، دریاؤں کے پانی سے بجلی کی طاقت حاصل کرنا اور آبپاشی کے لیے بند تعمیر کرنا اور ملک کی زرعی اور صنعتی ترقی کے لیے دوسرے موزوں اقدامات کرنا دورِ جدید کی ایک اسلامی ریاست کے پروگرام میں اسی طرح شامل ہونا چاہیے جس طرح ابتدائی اسلامی ریاستوں کے پروگرام میں زرعی ترقی کا اہتمام شامل تھا۔

تقسیمِ دولت کے اندر پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنا

قرآن و سنت اور خلافتِ راشدہ کے نظائر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک رہنما اصول یہ بھی ہے کہ معاشرے میں تقسیمِ دولت کے بارے میں جو تفاوت پایا جاتا ہے وہ کم ہو اور دولت کسی ایک طبقے کے اندر مرکوز ہو کر نہ رہ جائے۔ مکی دور ہی میں مسلمانوں پر یہ بات واضح کر دی گئی تھی کہ دولت مند افراد کے مال میں دولت سے محروم افراد اور ضرورت سے مجبور ہو کر دستِ سوال دراز کرنے والوں کا بھی حصہ ہے:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ - (ذاریات: ۱۹)

---

[۱۸] ابو یوسف: کتاب الخراج - ص ۱۳۱، ۱۳۲

اور ان کے اموال میں سائل اور محروم افراد کا بھی حق ہے۔

پھر مدنی دور میں جب بنو نضیر نامی یہودی قبیلے کو ان کی بدعہدی اور اسلام دشمنی کی وجہ سے جلاوطن کیا گیا اور ان سے حاصل ہونے والے اموال کی تقسیم کا مسئلہ سامنے آیا تو یہ حکم نازل ہوا کہ یہ اموال ضرورت مند لوگوں کے لیے ہیں۔ اس حکم کی مصلحت یہ بتائی گئی کہ مال کو معاشرے کے دولت مند افراد کے درمیان مرکوز نہیں ہونا چاہیے:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (الحشر: ۷)

ان آبادیوں کو جن کے اموال کو اللہ نے اپنے رسول کو عطا کیا ہے وہ اللہ، اس کے رسول اور رسول کے قرابت داروں، نیز یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کے لیے مخصوص ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ مال و دولت تمہارے صاحب ثروت لوگوں ہی کے درمیان چکر کھاتی رہ جائے۔

اس آیت سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوجاتی ہے کہ مال و دولت کو اغنیا کے درمیان گردش کرتے رہ جانے سے روکنا اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا ایک مقصد ہے۔ اسی آیت سے یہ بات بھی واضح ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے قانونِ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے مناسب اقدام بھی کیے جا سکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دور میں تقسیمِ دولت کے متعلق پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کا مقصد اسلامی ریاست نے تین طریقوں سے حاصل کیا:

۱۔ ہر سال زکوٰۃ اور عشر کے ذریعے دولت مندوں کے مال کا ایک حصہ غریبوں کی طرف منتقل کیا جاتا رہا۔

۲۔ فئے کے مال کو غریبوں کے درمیان تقسیم کیا گیا۔

۳۔ اور اصحابِ دولت کو ترغیب و تلقین کے ذریعے اس بات پر ابھارا گیا کہ وہ اہلِ حاجت کی مالی امداد کریں۔

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور فئے کا مال آیا تو آپ نے اُسے عوام کے درمیان مساوی طور پر تقسیم کر دیا اور چھوٹے بڑے، آزاد، غلام، مرد اور عورت سب کو برابر کا حصہ دیا۔ جب بعض لوگوں نے آپ سے یہ کہا کہ خدمتِ اسلام اور اسلام لانے میں سبقت کی بنا پر بعض افراد کو بعض سے زیادہ حصہ دینا چاہیے تو آپ نے اس کا جواب یہ دیا:

اما ما ذکرتم من السوابق والقدوم والفضل فما اعرفنی بذٰلک و انما ذٰلک شیٔ ثوابہ علی اللّٰہ جل ثناءہٗ - وھٰذا معاش فالاسوۃ فیہ خیر من الاثرۃ[19]

تم نے جو سابقیت، اوّلیت اور فضیلت کا ذکر کیا ہے تو میں اس سے بہت اچھی طرح واقف ہوں لیکن یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ثواب اللہ جل شانہ کے ذمے ہے مگر یہ معاملہ معاش کا ہے - اس میں مساوات کا برتاؤ ترجیحی سلوک سے بہتر ہے۔

ایک دوسری روایت :

ان ابابکر کلم فی ان یفضل بین الناس فی القسم - فقال : فضائلھم عند اللّٰہ ، فاما ھٰذا المعاش فالتسویۃ فیہ خیرٌ۔[20]

ابوبکرؓ سے کہا گیا کہ وہ (فئے کی) تقسیم میں بعض لوگوں کو بعض پر ترجیح دیں تو آپ نے فرمایا : ان کے فضائل کا اعتبار اللہ کے یہاں ہوگا۔ جہاں تک اس معاشی زندگی کا سوال ہے اس میں برابر کا سلوک کرنا بہتر ہے

خلیفۂ اول کا یہ ارشاد اگرچہ فئے کی تقسیم سے متعلق ہے لیکن آخری جملے میں آپ نے ایک اصولی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے جس سے اسلامی ریاست کی معاشی پالیسی کا عام رجحان اخذ کیا جا سکتا ہے۔ یہ عام رجحان یہ ہے کہ وسائلِ معاش کی تقسیم میں تفاوت کے بجائے مساوات کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

تقسیمِ دولت میں پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کے باقی دو طریقے، جو عہدِ نبوی میں اختیار کیے گئے تھے، عہدِ صدیقی میں بھی نافذ رہے۔ جب بعض قبائل نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تو ریاست نے ان کے خلاف فوجی کارروائی کر کے ان کو اس حق کی ادائیگی پر مجبور کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس اصول کے مطابق عمل کی اہم ترین مثال وہ پالیسی ہے جو عراق و شام کی مفتوحہ زمینوں کو فوجیوں کے درمیان تقسیم نہ کرنے کے فیصلے کا باعث بنی۔ پہلے حضرت عمرؓ بعض صحابہ کے اس مشورے کی طرف مائل ہو گئے تھے کہ یہ زمینیں فوجیوں کے درمیان تقسیم کر دی جائیں۔ لیکن بعد میں جب آپ کی توجہ اس طریقے کے غلط نتائج کی طرف مبذول کرائی گئی تو آپ نے مزید غور کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو آیاتِ فئے (سورۂ حشر آیات ۶ تا ۱۰) کا ایسا فہم عطا کیا کہ آپ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا اور ان زمینوں کو سارے مسلمانوں کی ملکیت قرار دینے کا فیصلہ کیا۔

۱۹؎ ابویوسف، کتاب الخراج - ص ۵۰

۲۰؎ ابوعبید، کتاب الاموال - ص ۲۶۳

قدم عمر الجابیة فاراد قسم الارض بین المسلمین - فقال معاذ واللہ اذن
یکونن ما تکرہ - انک ان قسمتها صار الریع العظیم فی ایدی القوم ، ثم
بیدون فیصیر ذلک الی الرجل الواحد والمرأة ، ثم یاتی من بعدهم قوم
ّدون من الاسلام مسدًّا ، وهم لا یجدون شیئاً فانظر امرًا یسع اوّلهم واٰخرهم -

قال هشام : وحدثنی الولید بن مسلم عن تمیم بن عطیة عن عبد اللہ بن ابی
س - او ابن قیس : انّهٗ سمع عمر یکلّم الناس فی قسم الارض - ثم ذکر کلام
ماذ ایاہ - قال فصار عمر الی قول معاذ -[۵۵]

عمر جابیہ آئے تو انھوں نے زمین کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنے کا ارادہ کیا - معاذ نے آپ سے کہا خدا کی قسم پھر وہی ہوگا جو آپ کو ناپسند ہے - اگر آپ نے زمین کو تقسیم کیا تو بڑے بڑے علاقے ان (موجودہ) لوگوں کو مل جائیں گے یہ مر جائیں گے تو یہ زمینیں (وراثت کے ذریعے) کسی ایک آدمی یا عورت کے ہاتھ میں آجائیں گی - پھر ان کے بعد سرے لوگ (اسلام میں داخل ہوکر) آئیں گے جو اسلام کا دفاع کریں گے مگر اُن کو کچھ نہ مل سکے گا -
پ غور و فکر کے بعد کوئی ایسا طریقہ اختیار کیجیے جو آج کے مسلمانوں کے لیے بھی موزوں ہو اور بعد میں آنے ں کے لیے بھی مفید ہو -

(حدیث کے راوی) ہشام نے کہا : مجھ سے ولید بن مسلم نے بروایت تمیم بن عطیہ بروایت عبداللہ بن ابی قیس — بن قیس — حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے عمر کو زمین کی تقسیم کے بارے میں لوگوں سے (مشورۃً) گفتگو تے سنا — پھر راوی نے اس بات کا ذکر کیا جو معاذ نے عمر سے کہی - راوی کہتا ہے کہ پھر عمر نے معاذ کی بات مان لی -

حضرت معاذ بن جبل نے زمینوں کی تقسیم کے خلاف رائے دیتے وقت جو بات فرمائی اس سے معلوم ہوتا کہ خود حضرت عمر کو معاشرے میں دولت کا ارتکاز ناپسند تھا - وہ نہیں چاہتے تھے کہ زمین کی ملکیت محدود طبقے میں گھر کر رہ جائے اور باقی افراد اس سے محروم رہیں - حضرت معاذ کی رائے یہ تھی کہ ن کے بڑے بڑے رقبوں کا چند افراد کے ہاتھوں میں آجانا بُرا ہے - اس سے آئندہ آنے والوں کی حق تلفی اور ہمت شکنی ہوتی ہے - حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان دلائل کو وزن دینا اور ان کی روشنی میں ایک

---

[۵۵] ابوعبید - کتاب الاموال ص ۵۹ - نیز ملاحظہ ہو، بلاذری : فتوح البلدان - ص ۱۵۲

اہم فیصلہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کے نزدیک معاشرے کو دولت کے ارتکاز سے بچانا اسلام کی معاشی پالیسی کا ایک رہنما اصول ہے۔

فئے کے مال کی تقسیم کے بارے میں ابتداءً حضرت عمرؓ نے بھی مساوی تقسیم کی اسی پالیسی پر عمل کیا جو حضرت ابو بکرؓ نے اختیار کی تھی[۲۲] لیکن ۱۶ھ میں جب عراق و شام کی فتح سے بہت سا مال خمس اور فئے کے طور پر حاصل ہوا تو آپ نے اپنی پالیسی تبدیل کر دی۔ آپ نے اسلام لانے میں سبقت کرنے والوں کو اور اسلام کی نمایاں خدمات انجام دینے والوں کو عام افراد سے زیادہ حصے دیے۔ جن افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ میں طرح طرح کی مصیبتیں جھیلی تھیں، اسلام کے لیے اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی تھی اور مدینہ منورہ کے ابتدائی دور میں آپ کے ساتھ مل کر کفار سے جنگیں کی تھیں، ان کو آپ نے بعد میں ایمان لانے والوں سے زیادہ حصوں کا مستحق قرار دیا۔ تقسیم فئے میں مساوی سلوک کی جگہ ترجیحی سلوک کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ آپ کو یہ کسی طرح گوارا نہ تھا کہ جن لوگوں نے اسلام میں داخل ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگیں لڑی تھیں ان کو ان لوگوں کے برابر کے حصے دیے جائیں جنھوں نے ابتدا ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ کفار سے جنگ کی تھی۔

قال: لا اجعل من قاتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمن قاتل معہ[۲۳]

آپ نے فرمایا: جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی تھی ان کو میں (تقسیم فئے میں) ان کے برابر نہیں کر سکتا جنھوں نے آپ کے ساتھ ہو کر جنگ کی تھی۔

اس نئے طریقِ کار کے حق میں جو سیاسی، معاشرتی، نفسیاتی اور دینی دلائل دیے جا سکتے ہیں وہ واضح ہیں۔ لیکن معاشی طور پر اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ معاشرے میں تقسیم دولت میں مزید ناہمواری پیدا ہو۔ چنانچہ آٹھ سال[۲۴] تک اس پالیسی پر عمل کرنے کے بعد اپنے دورِ خلافت کے آخری سال میں حضرت عمرؓ نے اپنی رائے پھر تبدیل کی اور آئندہ تقسیمِ فئے میں مساوات برتنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

حدثنا عبد الرحمن بن مہدی عن ہشام بن سعد عن زید بن اسلم عن ابیہ قال: سمعت عمر یقول: لئن عشت الی ھذا العام المقبل لالحقن آخر الناس باولھم

۲۲ھ ابو یوسف: کتاب الخراج۔ ص ۲۹   ۲۳ھ ایضاً۔ ص ۵۰   ۲۴ھ ۱۶ھ تا ۲۳ھ

حتیٰ یکونوا بَبّاناً واحداً ۔

[قال عبدالرحمٰن: بَبّاناً واحداً اشیئاً واحداً][25]

ہم سے عبدالرحمٰن بن مہدی نے انھوں نے ہشام بن سعد سے انھوں نے زید بن اسلم سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں نے عمر کو یہ کہتے سنا ہے کہ "اگر میں آئندہ سال اس دن تک زندہ رہا تو (تقسیم فئے میں) آخر کے لوگوں کو سر فہرست لوگوں سے ملا دوں گا تاکہ سب مساوی ہو جائیں۔

عبدالرحمٰن نے کہا: بَبّاناً واحداً کے معنی یہ ہیں کہ ایک ہی جیسے ہو جائیں۔

اسی روایت کو ابن سعد نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

سمعت عمر بن الخطاب یقول: "واللّٰہ لئن بقیت الیٰ ھذا العام المقبل لالحقنّ اٰخر الناس باولھم ولاجعلنھم رجلاً واحداً"[26]

میں نے عمر بن الخطاب کو یہ کہتے سنا ہے کہ: "خدا کی قسم اگر میں آئندہ سال اس موقعہ تک زندہ رہا تو آخر لوگوں کو شروع کے لوگوں سے ملا دوں گا اور ان سب کو ایک جیسا کر دوں گا۔

عن زید بن اسلم عن ابیہ انہ سمع عمر بن الخطاب قال: لئن بقیت الی الحول لالحقنّ اسفل الناس باعلاھم۔[27]

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے عمر بن الخطاب کو یہ کہتے سنا ہے کہ: اگر میں ایک سال اور زندہ رہا تو (فئے میں حصّے کے اعتبار سے) سب سے نیچے کے لوگوں کو سب سے اوپر کے لوگوں کے مساوی کر دوں گا۔

ولما رأیٰ المال قد کثر قال: "لئن عشت الیٰ ھذہ اللیلۃ من قابلٍ لالحقنّ اٰخر الناس بأولاھم حتیٰ یکونوا فی العطاء سواءً"

قال فتوفی رحمہ اللّٰہ قبل ذٰلک[28]

(راوی کہتا ہے کہ) جب آپ نے دیکھا کہ (فئے کا) مال بہت زیادہ آنے لگا ہے تو فرمایا: "اگر میں آئندہ سال اس شب تک زندہ رہا تو (رجسٹر میں درج) آخر کے لوگوں کو شروع کے لوگوں سے ملا دوں گا تاکہ سارے لوگوں کو برابر برابر وظیفے ملنے لگیں۔

---

[25] ابوعبید: کتاب الاموال۔ ص ۲۶۳-۲۶۴

[26] محمد ابن سعد: الطبقات الکبریٰ طبع بیروت جلد ۳، ص ۳۰۱۔

[27] ایضاً

[28] ابو یوسف، کتاب الخراج۔ ص ۵۵

(راوی نے کہا کہ) آپ اس سے پہلے ہی انتقال فرما گئے۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔

ان روایات سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے تقسیم فئے میں عدمِ مساوات برتنے کے طریقِ کار سے رجوع کر کے مساوات برتنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن یہ واضح نہ ہو سکا کہ آپ نے یہ فیصلہ کس وجہ سے کیا تھا۔ کتاب الخراج کی مذکورہ بالا روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مالِ فئے کی کثرت اس نئے فیصلہ کا سبب بنی تھی۔ لیکن ہمیں یہ توجیہ کافی نظر نہیں آتی۔ سابقین اوّلین اور اسلام کی نمایاں خدمات انجام دینے والوں کا امتیاز برقرار رکھنے کا جو مقصد حضرت عمرؓ کے سامنے تھا وہ اسی وقت پورا ہو سکتا تھا جب مالِ فئے کی کثرت کے باوجود، ان افراد کے حصے دوسرے افراد سے زیادہ رکھے جاتے، صرف مالِ فئے کی کثرت اس بات کے لیے کافی نہیں کہ ان کے امتیازی مقام کو نظر انداز کر دیا جائے، یہ بھی ممکن تھا کہ سب کے حصول میں اضافہ کر دیا جاتا اور منتخب لوگ پھر بھی دوسروں سے زیادہ حصّہ پاتے، نئے فیصلے کے لیے ضروری ہے کہ حضرت عمر کے سامنے کوئی ایسی مصلحت ہو جس کو وہ ان مصالح پر ترجیح دینے لگے ہوں جو امتیازی سلوک اور غیر مساوی تقسیم کے فیصلے کے وقت ان کے سامنے تھے اور گیارہ سال تک برابر سامنے رہے۔

ہمارے نزدیک یہ نئی مصلحت ان مفاسد کے ازالے کی ضرورت کے پیشِ نظر تھی جو معاشرے میں تقسیمِ دولت میں بڑھتے ہوئے تفاوت سے پیدا ہو رہے تھے یا آئندہ پیدا ہو سکتے تھے۔ جن لوگوں کو دوسروں سے زیادہ حصے مل رہے تھے، ان میں معیارِ زندگی کو حدِ اعتدال سے زیادہ بلند کرنے، جائدادیں خریدنے اور جہاد فی سبیل اللہ کی طرف سے قدرے غافل ہو جانے کے رجحانات پیدا ہوتے دیکھ کر آپ کی بصیرت نے یہ پہچان لیا ہوگا کہ ان رجحانات کو غیر مساوی تقسیمِ فئے سے مزید تقویت حاصل ہوگی۔ دوسری طرف یہ بھی ممکن ہے کہ گیارہ سال تک امتیازی سلوک کرنے کے بعد اب آپ کے نزدیک اس طریقے کو باقی رکھنا اتنا ضروری نہ رہ گیا ہو۔ کیونکہ جن افراد کو آپ ممتاز کرنا چاہتے تھے ان کو اس طویل عرصے میں خاصا موقع مل چکا تھا۔

نئے فیصلے کے مطابق جن لوگوں کو پہلے زیادہ حصّہ مل رہا تھا ان کے حصّے میں کمی نہیں ہوتی بلکہ جو لوگ پہلے کم حصہ پاتے تھے ان کے حصے میں اتنا اضافہ پیشِ نظر تھا کہ سب کے حصّے برابر ہو جائیں۔ ایسا کرنا اسی وجہ سے ممکن ہو سکا تھا کہ فئے کا مال اب پہلے سے زیادہ تھا۔ کتاب الخراج کی مذکورہ بالا توجیہ ہمارے نزدیک فیصلے کے صرف اسی پہلو پر منطبق ہوتی ہے۔

لیکن ایک دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا ارادہ تھا کہ امیر لوگوں کی فاضل

دولت لے کر غریبوں کے درمیان تقسیم کر دیں:

عن ابی وائل قال قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتها علی فقراء المهاجرین [۵۹]

ابو وائل سے مروی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: جو امور میں پہلے طے کر چکا اگر انھیں مجھے آئندہ بھی طے کرنے کا موقع ملتا تو میں امیروں سے ان کی فاضل دولت لے کر اسے فقرائے مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیتا۔

اپنے دورِ خلافت کے آخری برس میں حضرت عمر کا یہ ارشاد واضح طور پر یہ بتاتا ہے کہ آپ معاشرے میں دولت کی تقسیم میں بڑھتی ہوئی ناہمواری سے پریشان رہنے لگے تھے، اور اس صورتِ حال کی روشنی میں اپنے بعض گزشتہ فیصلوں پر نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس کرتے تھے اور ایک راست اقدام کے ذریعے تقسیم دولت میں پائے جانے والے تفاوت کو کم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ روایت ہماری اس رائے کی بھی تائید کرتی ہے کہ تقسیم فئے کے بارے میں حضرت عمر کے نئے فیصلے کی اصل وجہ گزشتہ پالیسی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ناہمواری اور بڑھتی ہوئی عدم مساوات تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے اور آپ نے زندگی کے مختلف شعبوں کو حقیقی اسلام کے مطابق ازسرِ نو منظم کرنے کی کوشش کی تو معاشی نظام میں بھی متعدد اصلاحات عمل میں لائی گئیں۔ بے جا طریقے پر دی ہوئی جاگیریں واپس لے کر ان کے اصلی مالکوں کو دی گئیں۔ جن سرکاری زمینوں کو لوگوں نے ذاتی ملکیت بنا لیا تھا ان کی سابق حیثیت بحال کی گئی اور آئندہ کے لیے ایسی زمینوں کی خرید و فروخت ممنوع قرار دے دی گئی۔ بعد میں آنے والے حکمرانوں نے ان اصلاحات کو ترک کر دیا اور حکومت کی معاشی پالیسی میں دوبارہ اسلام کے اصولوں سے انحراف کی مختلف شکلیں نمودار ہونے لگیں۔

ہمارے نزدیک اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن و سنت کی تعلیمات کا صحیح مفہوم وہ ہے جو خلافتِ راشدہ کے عمل سے ہمارے سامنے آتا ہے۔ اسلام کسی فرد پر دولت کے کسب کے سلسلے میں کوئی اصولی اور دائمی پابندی نہیں عائد کرتا لیکن اسے یہ بات پسند نہیں کہ دولت معاشرے کے ایک طبقے میں مرکوز

---

[۵۹] طبری: تاریخ۔ ص ۲۷۷۴ (حوادث ۲۳ھ) اور ابن حزم المحلی جلد ۶۔ ص ۱۵۸۔ ابن حزم نے لکھا ہے کہ اس روایت کی سند بہت صحیح اور پختہ ہے۔

ہو کر رہ جائے۔ قرآن، سنتِ نبوی اور خلافتِ راشدہ کے نظائر کی روشنی میں ہم اطمینان کے ساتھ یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ دولت اور آمدنی کی تقسیم میں تفاوت کو کم کرنا اسلام کی معاشی پالیسی کا ایک رہنما اصول ہے۔

اس رائے کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اسلام کو معاشرے میں عیش پرستوں اور مترفین کے طبقے کا ظہور سخت ناپسند ہے۔ قرآن کریم کے فلسفۂ تاریخ کی روشنی میں کسی معاشرے میں عیش کوشی اور عیش پرستی کرنے والے طبقے کا ظہور اور غلبہ معاشرے کی ہلاکت اور بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ تقسیم دولت میں بڑھتا ہوا تفاوت اس طبقے کے ظہور کے لیے راہیں ہموار کرتا ہے۔ اس بنا پر بھی یہ ضروری ہے کہ اسلامی ریاست اس بات کا اہتمام کرے کہ دولت اور آمدنی کی تقسیم میں روز افزوں تفاوت کا رجحان نہ جڑ پکڑ سکے۔

معارفِ حدیث اردو ترجمہ معرفۃ علوم الحدیث

از مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

"معرفۃ علوم الحدیث" فن حدیث میں ایک بڑی گراں قدر تصنیف تسلیم کی گئی ہے۔ اس کے مصنف امام ابوعبداللہ الحاکم نیساپوری (۳۲۱ھ - ۴۰۵ھ) ہیں، اس میں احادیث کی قسمیں، راویانِ احادیث کے مراتب اور ان کے حالات، نیز اس سلسلے کی دوسری معلومات سب آگئی ہیں۔ اس کتاب سے فنِ حدیث کا کوئی طالب علم بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ترجمہ بڑا شگفتہ اور رواں ہے۔

صفحات: ۳۸۸ قیمت: ۱۱/۰۰ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور